⊙ ڈاکٹر طاہر عباس طیب
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، جی سی ویمن یونیورسٹی، سیالکوٹ
⊙⊙ ڈاکٹر محمد افضال بٹ
صدر شعبہ اُردو، جی سی ویمن یونیورسٹی، سیالکوٹ
⊙⊙⊙ زیبا گلزار
اُستاد شعبہ اردو، گورنمنٹ ایسوسی ایٹ کالج، سمبڑیال، سیالکوٹ

فکرِ اقبال کی ترویج و اشاعت میں ڈاکٹر اسلم انصاری کا حصہ

Abstract:

Dr. Muhammad Aslam Ansari was born on 30 April 1939, in Multan, Pakistan. He has published more than 20 books. He is prominent researcher and a good critic of Urdu literature. His Four books have been published on the subject of Iqbaliyat; i.e. Iqbal Ehad Afreen, Shair o Fikar-E Iqbal, Faizan e Iqbal, Iqbal Ehad Saaz Shaiyar Aur Mufakkir. His research work on Iqbaliyat gives him notable position among the specialists of Iqbal studies. He has also pen down different essays about the various prospects of Iqbal's poetry. Allama Iqbal holds a prominent status in Urdu poetry and literature. Even today the poetry of Iqbal is an enlightment example for the Muslim youth. Iqbal is from one of those distinct examples of historical, philosophical and literary figures whose poetic and philosophical concepts were commended at national and international levels. Transcripts of Iqbal have at least been translated into 26 languages so far a well transcribed library of his thoughts. Iqbal's personality is unique in term of themes but in this field of Iqbal Shinasi.This article presents a detailed analysis of Dr. Aslam Ansari's research on Iqbal.

Keywords:

Researcher, Critic, Multan, Iqbaliyat, Iqbal Studies, Philosopher, Poetry

موجودہ دور میں اقبال شناسی وہ علمی روایت ہے، جس کی بنیاد، حیات وافکارِ اقبال کی تفہیم کے سلسلہ میں کی جانے والی کاوشیں ہیں۔اس لیے اقبال شناسی سے وابستہ اہلِ علم کو اقبال شناس، اقبال اسکالر یا ماہر اقبالیات کہا جاتا ہے۔اس عظیم مفکر کے افکار سے دنیا بھر کے انسانوں (مسلمانوں) کو بیداری کا درس ملتا ہے۔اقبال نے جو نظریات پیش کیے، وہ سوچ، شخصیت اور ارتقاء کو ابھارنے کے لیے مفید اور کارآمد ہیں۔اُردو میں اقبالیات کا اضافہ یقیناً اس کے علمی و ادبی سرمائے کو بھی مزید تقویت دیتی ہے۔یوں تو اقبال کے فکر وفن پر بہت کچھ لکھا گیا اور ابھی بھی لکھا جا رہا ہے اور لکھا جاتا رہے گا، لیکن اقبالیاتی فکر کو عہدِ نو تک پہنچانے کا بیڑا جنھوں نے اٹھایا، انہی میں ایک نمایاں نام ڈاکٹر اسلم انصاری کا ہے۔ان کی انفرادیت کی وجہ، ان کا منفرد اور سہل اسلوب ہے۔انہوں نے اقبالیات کے کئی فکری گوشے وا کیے۔اس حوالے سے ان کا علمی وادبی اثاثہ واضح اہمیت کے حامل ہے۔

بطور اقبال شناس ڈاکٹر اسلم انصاری نے جو کچھ بھی لکھا، وہ اپنے آپ میں سند کا درجہ رکھتا ہے۔انھوں نے فکر اقبال کے تخلیقی پہلوؤں اور گوشوں کو اجاگر کیا۔ملتان سے تعلق رکھنے والے نامور محقق، نقاد، اقبال شناس، شاعر، مترجم اور کالم نگار ڈاکٹر اسلم انصاری ہمہ جہت علمی و ادبی شخصیت کے مالک ہیں۔پڑھنے لکھنے کا شغف ان میں قدرتی طور پر ودیعت تھا۔وقت گزرنے کے ساتھ اس میں مزید پختگی آتی گئی۔انھوں نے بطور ماہرِ اقبالیات، نقاد، محقق، شاعر، خطاط اور مصور کی بنیاد پر خود کو علمی اور ادبی حلقوں میں منوایا اور علم وفن میں نئی راہیں تلاش کیں۔محمد افتخار شفیع لکھتے ہیں:

> ''مشرقی اقدار کے رسیا اور مذہبی نظریات کے شیدا، ڈاکٹر اسلم انصاری مسلم تہذیب وتمدن اور اسلامی آئیڈیالوجی سے گہرا شغف رکھتے ہیں......وہ ادب میں بھی مقدار سے زیادہ معیار کے قائل ہیں۔''(۱)

ڈاکٹر اسلم انصاری کی دورانِ طالب علمی مختلف ادیبوں، شاعروں اور اہلِ علم ودانش سے وابستگی رہی، ڈاکٹر سید عبداللہ اور سجاد باقر رضوی سے اکتسابِ فیض کا موقع ملا، جس سے ان کی ادبی صلاحیتوں میں مزید نکھار پیدا ہوا۔درس وتدریس کے علاوہ ان کی وابستگی آرٹس کونسل سے بھی رہی، حکومت کی طرف سے انھیں تمغہ امتیاز سے بھی نوازا گیا۔اقبالیات کے ضمن میں ان کی تصانیف ''اقبال عہد آفریں''، ''شعر وفکر اقبال''، ''اقبال: عہد ساز شاعر اور مفکر'' اور ''فیضانِ اقبال'' (منظوم اقبالیات)، ''قابلِ ذکر ہیں۔اقبال شناسی کے حوالے سے ان کی کتاب ''فیضانِ اقبال'' کو سراہتے ہوئے ڈاکٹر وحید الرحمٰن خان لکھتے ہیں:

> ''فیضانِ اقبال کے مصنف کو اقبال کے افکار و خیالات سے غیر معمولی شغف ہے۔وہ ان کی شاعرانہ عظمت کے قائل ہیں اور ان کے اسلوب کے مداح۔فلسفہ ان کا خاص میدان ہے اور فنونِ لطیفہ ان کے لیے ذوقِ تسکین کا سامان، وہ ایک بالغ نظر نقاد ہیں اور ایک نغز گو شاعر! یوں وہ تمام اوصاف جو شاعر کی ذات میں موجود ہیں، اس مجموعے میں بھی یکجا ہو گئے ہیں۔''(۲)

ڈاکٹر اسلم انصاری نے اپنی عمر کا بڑا حصہ فکر اقبال کی ترویج واشاعت صرف کیا۔معلم کی حیثیت سے بھی اقبال ان کی فکر وشعور کا تکمیلی ذریعے بنے رہے۔زیرِ نظر مضمون میں تین تصانیف ''اقبال: عہد آفریں، اقبال: عہد ساز شاعر اور مفکر'' اور مطالعاتِ اقبال'' کی روشنی میں بطور اقبال شناس، ان کی فکری وفنی کاوشوں کا احاطہ کیا گیا ہے۔اقبال شناسی میں

ان کی پہلی تصنیف ''اقبال: عہد آفریں''اہم اثاثہ تصور کی جاتی ہے۔ یہ پہلی مرتبہ کاروانِ ادب ملتان سے ۱۹۸۸ء میں اور دوسری بار ۲۰۱۱ء میں اقبال اکادمی سے طبع ہوئی۔کل صفحاتِ کتاب ۲۶۳ اور مضامین کی تعداد ۱۷ ہے۔اقبالیات کے حوالے سے یہ ان کے مضامین کا پہلا مجموعہ ہے۔کتاب کی انفرادیت کی وجہ، ڈاکٹر اسلم انصاری نے کا صاحبِ علم ہونے کے ساتھ ساتھ،فکری موضوعات کا وضاحت سے احاطہ کیا ہے۔اس تصانیف کی غرض وغائیت اور مضامین میں موضوعات کے چناؤ میں تنوع کے ساتھ داخلی ربط بھی موجود ہے، جسے بآسانی محسوس کیا جاسکتا ہے۔زیر مطالعہ کتاب میں فکرِ اقبال کے مختلف پہلوؤں کو سمجھنے کے ساتھ، کچھ نئے موضوعات کو پہلی بار زیرِ بحث لایا گیا تھا،جس سے فکر اقبال کو سمجھنے اور سمجھانے کی راہ ہموار ہوتی ہے۔کتاب میں قاری کے لیے دعوتِ فکر بھی موجود ہے۔زیر مطالعہ کتاب میں اقبال کی فکر اور فن کے موضوع کو منفرد انداز میں پیش کیا گیا ہے جس سے کتاب کی قدر و قیمت اور اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔اقبالیات سے دلچسپی رکھنے والوں افراد اور طالبعلموں کے لیے یہ کتاب خاصے کی شے ہے۔مضامین فکر آمیز اور تحقیقی وتنقیدی بصیرت سے ممیّز ہیں۔

کتاب کا پہلا مضمون''اقبال: عہد آفریں''میں ڈاکٹر اسلم انصاری نے تمہیدی انداز میں شاعری کی تاریخ و پس منظر کا مختصر مگر جامع انداز میں احاطہ کیا گیا ہے۔اقبال کی شعری عظمت اور اردو شاعری میں ان کے پیدا کردہ انقلاب پر روشنی ڈالی گئی ہے۔زبان اور اسلوب کے تئیں جو شعری تعمیرِ نو اقبال کے ہاتھوں ہوئی وہ اپنی مثال آپ ہے۔غالب نے جو انفرادیت غزل کو بخشی، وہی عروج،اقبال نے اُردو شاعری کو عطا کیا۔انہوں نے نظم میں نئے ڈکشن اور اسلوب کا اضافہ کیا۔بلاشبہ بیسویں صدی پر ان کے شعری اثرات کے باعث ہم ان کو''دبستانِ اقبال''قرار دے سکتے ہیں۔ڈاکٹر اسلم انصاری کے نزدیک:

> ''اقبال نے غزل میں الفاظ کی مرتکزیتہ داری کی بجائے الفاظ کی نامیاتی پیش رفت کو اہمیت دی،اور یوں اُردو غزل کو لسانی اور فکری پھیلاؤ کی نادر فنی صورتیں میسر آئیں۔''(۳)

مضمون میں ڈاکٹر اسلم انصاری نے علامہ اقبال کو وسیع علمی، قلمی اور ادبی شعور کا اہل شاعر قرار دیا ہے۔اقبال کی لسانی تشکیل نے مرکزی حیثیت محاورے وتلازمے کے بجائے زبان کو فطری پن اور وسعت عطا کی۔یہی وہ سبب ہے جس سے فکر وفلسفہ اقبال آفاقی و عالمگیر حیثیت اختیار کر گیا اور اسی سبب سے اقبال کی شاعری،فکر وفن،فلسفہ ہر چیز میں ایک الگ اور نمایاں بصیرت نظر آتی ہے۔اسلم انصاری چوں کہ خود بھی مصوری اور خطاطی کرتے رہے،اس لیے وہ دوسروں کے مصورانہ شاہکاروں میں بھی گہری دلچسپی لیتے ہیں۔اقبال کی شاعری کو مصورانہ رنگ اور زبان دینے والے مشہور ومعروف مصور عبدالرحمٰن چغتائی کے کام پر مفصل گفتگو کی ہے۔چغتائی بھی ایک عہد ساز اور رجحان ساز مصور تھے۔انھوں نے اقبال کو شاعرِ مشرق اور عبدالرحمٰن چغتائی کو مصورِ مشرق قرار دیا اور ان کی مشابہت ویکسانیت کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کیا گیا ہے۔پھر انہوں نے قدیم فن مصوری کے ساتھ مشرقی اور مغربی روایت پر روشنی ڈالی ہے،البتہ،کہیں کہیں مخصوص حقائق ونظریات کے پیش نظر بیان میں بحث وتکرار بھی ملتی ہے۔عبدالرحمٰن چغتائی کی مکمل سوانح وحالات کو مختصر مگر جامع انداز میں پیش کیا ہے۔اُن کی مصورانہ انفرادیت اور امتیاز خصوصیات کو خوبصورتی سے اجاگر کیا ہے۔عبدالرحمٰن چغتائی نے مصوری سے اپنے فن کو ازسرِ نو تشکیل دے کر اس میں مفقود ادبی چاشنی کا رنگ بھی بھرا۔مضمون میں ڈاکٹر اسلم انصاری کی زبان ادبی بلکہ ماہر

مصور شناس کی زبان کا شائبہ ملتا ہے، انھوں نے چغتائی کے فن کی بوقلمونیوں اور موشگافیوں سے پردہ بھی اٹھاتے ہیں۔ اقتباس ملاحظہ کیجیے:

''اس کی تصویری سطح کا کوئی رقبہ رنگ کی نور کی افشانی اور تابانی سے خالی نہیں۔۔۔وہ اپنے خطوط کے ذریعے زندگی کی صلابت کو ظاہر کرنے کی صلاحیت بھی رکھتے ہیں۔وہ اس بات پر بھی قادر ہیں کہ ارفعیت کی تجسیم کر سکیں،لیکن اُنھوں نے زیادہ تر لطیف،غنائی تصویریں بنائی ہیں۔جو مشرق کی غنائی شاعری کے مصورانہ بدل ہیں۔''(۴)

ڈاکٹر اسلم انصاری نے اقبال کی شاعری کی مصورانہ قدر و قیمت کو بھی اجاگر کیا ہے جس میں ان کے شعری اسلوب، ڈرامائی عنصر اور بصری خوبیوں کی اہمیت مسلّم ہے۔انھوں نے ایک کو شاعری اور دوسرے کو مصوری کی فکر کے ذریعے دیکھا ہے، دونوں کے تصورِ مشرق کا تقابل کرتے ہوئے کئی توضیحات پیش کی ہیں۔چغتائی کی مصورانہ صلاحتیں اور اقبال کی شاعرانہ عظمت کا تجزیہ کمال خوبصورتی سے کیا گیا ہے گویا یہ مضمون فکر اور آرٹ کی عمدہ تنقید بھی ہے۔شاعر اور مصور کی صلاحیتوں اور انتھک کوشش و محنت کو سراہا گیا ہے۔البتہ کہیں کہیں طوالت کا شائبہ بھی ملتا ہے۔انہوں نے اقبال کو شاعر مشرق اور عبدالرحمٰن چغتائی کو مصورِ مشرق قرار دیا ہے، جو ان کی خدمات کے ضمن میں سو فیصد درست ہے۔انہوں نے اقبال اور چغتائی کے فن اور اس کی خصوصیات اور عظمت کو اجاگر کرنے کوشش کی ہے۔وہ مشاق فن شناس کی طرح ان کی فکر وفن کا جائزہ لیتے ہیں۔انھوں نے اقبال کو مشرقی معلم یا معلمِ عظیم قرار دیا ہے۔اس حوالے سے انھوں نے مختلف دلائل دے کر اقبال اور ان کے کلام کو آفاقی اور عہد آفریں شاعر ثابت کیا ہے۔غرض ڈاکٹر اسلم انصاری کا یہ مضمون خوبصورت اور فکر انگیز ہے۔

مضمون ''اقبال کی بیانیہ شاعری'' میں اسلوب کی سادگی اور شعری روایت کے نشانات سے جو مثبت تبدیلیوں کو بیان کیا ہے۔اس کا اسلوب سادہ کوئی تصنّع ، بناوٹ ، ابہام ، الجھن نظر نہیں آتی ہے۔مضمون کا خاتمہ منطقی نتیجے کے طور پر کیا ہے۔انھوں نے اقبال کی امیجری اور ڈرامائی انداز میں نظموں کو موضوع بناتے ہوئے فارسی اشعار کا اردو ترجمہ بھی پیش کیا۔انھوں نے اپنے خیالات کو قابلِ فہم بنایا جو ان کے نکتہ نظر اور اقبال کے متعلق گہرے مطالعے کا غماز ہے۔مضمون ''اقبال اور عشق رسول ؐ'' میں ڈاکٹر اسلم انصاری نے نعت وصفات کے بیان کی روایت کا سراغ بعثت و ولادتِ نبی اکرمؐ سے لگایا ہے۔پھر ادبیات کے ضمن میں فارسی سے ہوتے ہوئے غالب تک آتے ہیں۔اقبال کی اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں نعتیہ شاعری کے حوالے سے انہوں نے اقوال و اشعار بھی درج کیے ہیں۔انھوں نے اقبال کی نبی کریمؐ کی سیرت و اسوۂ حسنہ سے وابستگی کا اظہار بڑے منطقی انداز میں کیا ہے۔انھوں نے محبت وعقیدت سے اقبال کی شاعری میں اس مرکزی نقطے کو موضوع بناتے ہوئے، اقبال کے عشق رسولؐ میں فکری شعور کی نشاندہی کی ہے۔ڈاکٹر اسلم انصاری لکھتے ہیں:

''انھوں نے مقامِ رسالت اور ہدایتِ نبوت کو جدید علوم کی روشنی میں نفسیاتی اور فلسفیانہ توجیہات کے ساتھ عصرِ نو کے درماندہ ذہن اور شکستہ و حیران دل کے سامنے پیش کیا۔''(۵)

ڈاکٹر اسلم انصاری نے اقبال کی شاعری میں نعتیہ رنگ کی نشاندہی کی اور کئی متروکاتِ اقبال کا حوالہ بھی حسبِ

ضرورت پیش کیا ہے۔جس میں ایک ایک شعر مصنف کی تحقیقی وتنقیدی نظر کا غماز ہے۔اقبال نے وجودی فکر سے متاثر مفکرین کا نظریۂ تاریخ جو محض نا کامی کا دوسرا نظام ہے،کو رد کیا ہے۔اس حوالے سے مضمون ''اقبال کا تصورِتاریخ'' میں ڈاکٹر اسلم انصاری نے مغربی مفکرین کی اسلامی تصورِتاریخ سے متعلق غلط فہمیوں کی نشاندہی کرتے ہوئے انھیں رد بھی کیا ہے۔یوں اس مضمون میں قارئین یونانی تصورِتاریخ سے بھی آشنا ہوتے ہیں۔مصنف نے اقبال اور ہیگل کے ذکر کے ساتھ ساتھ مغربی مفکر اشپنگلر کے اسلام مخالف خیالات کی نشاندہی کرتے ہوئے اس کے جواب بھی دیئے۔یہ اقبال کا ہم عصر بھی تھا۔مصنف نے مغربی فلاسفر کے نظریات کی وضاحت اس طرح سے بیان کی جس سے ان کا عالمی ادب سے گہرے تعلق اور وسیع مطالعہ کا پتا چلتا ہے۔ابنِ خلدون کے بیان میں ڈاکٹر اسلم انصاری نے آیاتِ قرآنی کا حوالہ بھی دیا اور اس کے نظریات کو قرآنی کسوٹی پر پرکھنے کی کوشش کی ہے۔مضمون میں ایک منطقی ربط اور ترتیب ملتی ہے۔اشپنگلر اور ابن خلدون کے تصورِتاریخ کو سامنے رکھتے ہوئے اقبال کے تصورات پر روشنی بھی ڈالی گئی ہے۔مصنف کے نزدیک تاریخ ایک ہمہ وقت بدلتی ہوئی شے کا نام ہے،جو لوگوں کے لیے نفع بخش ثابت ہوتی ہے۔مضمون ''تشکیلِ جدید الٰہیاتِ اسلامیہ'' اقبال کے خطبات کے حوالے سے اسلامی نکتہ نظر کی وضاحت کی گئی ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ شاہ ولی اللہؒ اور مجدد الف ثانیؒ کے بعد اسلامی فکر کے ضمن میں علامہ محمد اقبال کے یہ خطبات تیسرا مکمل و معتبر حوالہ ہیں۔یوں اسلامی فکر کے اعلیٰ نمونوں کو عصرِ حاضر کی معنویت ہم آہنگ کر کے پیش کیا گیا ہے۔آخر میں ان خطبات کی اہمیت اور غرض و غائیت کو بیان کیا ہے۔ڈاکٹر اسلم انصاری لکھتے ہیں:

> ''جن کی بدولت عالمِ اسلام میں علوم اسلامی کے احیا کی تحریکوں میں استحکام پیدا ہوا،اور اسلام کی نشأۃِ ثانیہ کی منزل مسلمانوں کو واضح اور قریب تر نظر آنے لگی۔'' (۶)

مضمون ''فارسی شعروادب میں اقبال کی فکری اور فنی ترجیحات'' میں اقبال کی شعری اور تنقیدی فکر پر روشنی ڈالی گئی ہے۔انہوں نے انتخاب میں ناقدانہ نظر سے کام لیا اور اہم نکات کی نشاندہی کی۔انھوں نے اقبال کی شاعری پر نقد و نظر کی خوبیاں اور معیارات کو بھی اجاگر کیا۔اقبال کی فارسی شاعری میں جو آہنگ اور ترنم نظر آتا ہے وہ غالب کے مشابہہ قرار دیا اور دلائل کے طور پر دونوں کے اشعار کا موازنہ بھی پیش کیا ہے۔اقبال کی مختصر مثنوی ''بندگی نامہ'' میں یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ ایک محکوم قوم میں پیدا ہو کر بھی شعری و فکری طور پر انسان آزاد ہے۔یوں انسان فکری بے عملی کے دور میں بھی کوشش کی جائے تو اس میں کامیابی حاصل ہوتی ہے۔اس شاہکار تجزیہ کے ساتھ ساتھ مثنوی کی فکری و فنی خصوصیات کو اجاگر کیا گیا ہے:

> ''مثنوی کا سب سے بڑا امتیاز یہ ہے کہ اس میں ہیت اور بحر کے سوا دنیا کی کسی نظم کی تقلید نہیں کی گئی۔یہ اس موضوع پر دُنیا کی واحد نظم ہے۔'' (۷)

اس حوالے سے ڈاکٹر اسلم انصاری کئی مقامات پر علامہ اقبال کے شعر و فلسفے اور فکر سے متعلق سوال بھی اٹھاتے ہیں۔کئی باریکیوں کو ازسرِنو کریدنے یا بیان کرنے کے واضح اشارے نظر آتے ہیں جس سے قاری کو غور و فکر کا درس ملتا ہے۔اُن کی تصنیفات کے زمانۂ تحریر کے متعلق پتا چلتا ہے اور یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اانسلاک اور فکری تموج میں اعلیٰ ذہن کارفرما

ہوتا ہے۔ یوں اقبال سے ان کی گہری عقیدت اور محبت کے رشتے کا احساس بھی ہوتا ہے۔ ڈاکٹر اسلم انصاری کی اقبال شناسی کے ضمن میں سوچ بچار، غور وخوص کے ساتھ ریاضت اور قلمی مشاقی نظر آتی ہے۔ جو مصنف کی کتاب کے مطالعے میں دیکھی جاسکتی ہے۔

مضمون ''اقبال کی شاعری میں ڈرامائی عناصر'' میں اقبال کی شاعری کے کلائمکس اور مکالماتی انداز کی خوبیوں کی موجودگی کا سراغ لگایا گیا ہے۔ مغربی و یونانی مفکرین کے تذکرے کے ساتھ اقبال کی طویل نظموں میں ان عناصر کی موجودگی کو سامنے لائے کی کوشش کی گئی ہے، جس سے عمدہ مکالموں اور ڈرامائی انداز کے ساتھ، کرداروں کی فنی، فکری، اور تکنیکی خوبیوں پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ جس سے علامہ اقبال کا لفظی تخیل وسیع نظر آتا ہے۔ ڈاکٹر اسلم انصاری نے اُن پر تنقید وتحقیق کرنے میں خاص محنت و ریاضت کا ثبوت دیا ہے۔ مضمون ''اقبال کا لفظی تخیل'' میں لفظ و معنی پر مضبوط گرفت، لفظوں کے بھید سے آگہی اور مکالماتی و ڈرامائی کرداروں میں کئی نئے لفظ و اصطلاحات وضع کیے گئے ہیں، جس نئے لفظ ایجاد ہونے کے ساتھ قدیم الفاظ کی تجدید نو بھی دیکھی جاسکتی ہے، ''زُروان سے لے کر زندہ رُود، وادیِ یرغمید یا وادیِ طواسین، مرغدین، برخیا اور فرزمرز'' وغیرہ جیسے الفاظ کا استعمال اور ان الفاظ کی مختصر تشریح و توضیح بھی پیش کی گئی ہے۔ مضمون کے اختتام پر یہ بتایا گیا ہے کہ علامہ اقبال نے کئی قدیم اور غیر معروف الفاظ کو تاریخی پس منظر دے کر جدید اعلیٰ فکری شعور سے کام لیتے ہوئے انھیں نئے معنی اور مفاہیم عطا کیے اور اردو لغت میں یہ الفاظ و اصطلاحات ایک خوبصورت اضافہ ہیں۔

مضمون ''اقبال اور احمد شاہ ابدالی'' میں مسلمان حکمرانوں میں اقبال کی انسیت و وابستگی دیکھی جاسکتی ہے۔ انھوں ٹیپو سلطان، احمد شاہ ابدالی اور نادر شاہ کے مشہور کرداروں کو بیان کیا۔ احمد شاہ ابدالی کی تاریخ پیدائش، ایامِ زندگی اور نادر شاہ کے اقدامات کی افادیت کا پتا چلتا ہے جس سے تاریخ آگہی اور ان علاقوں کی طرزِ بود و باش کا پتا بھی چلتا ہے، جو ڈاکٹر اسلم انصاری کی علمی قابلیت اور فنی لیاقت، قلمی مساعی اور محنت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اس مضمون میں جاوید نامہ کے تناظر میں، ان کی فکری، فنی، تکنیکی میں ارتقائی شعور کو اجاگر کرنے کی سعی ملتی ہے، جیسے ڈرامائی کردار اور حالات وواقعات، جاوید نامہ میں بدلتے ہیں، ویسے علامہ اقبال کے اشعار کا اسلوب بھی اسی رو میں بہتا ہوا، ڈرامائی طرز اختیار کر لیتا ہے۔ علامہ اقبال اور احمد شاہ ابدالی کے تعلق کو تاریخی حقائق کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے۔ مضمون ''اقبال اور نسلِ نو'' میں ڈاکٹر اسلم انصاری علامہ اقبال کی فارسی اور اردو شاعری کے کئی اشعار کو مختلف حوالوں سے تشریح و توضیح پیش کرتے ہیں، علاوہ ازیں فارسی اشعار مع ترجمہ درج کیے گئے ہیں۔ البتہ مضامین میں کچھ اشعار میں پروف یا کمپوزنگ کی کوتاہیاں بھی نظر آتی ہیں۔ سلطان ٹیپو کی وصیت کے جو اشعار درج کیے ہیں ان کا درج ذیل شعر کتاب کے صفحہ نمبر ۲۵۲ کمپوزنگ یا پروف کی غلطی ملتی ہے:

باطل دوئی پسند ہے ، حق لاشریک پر
شرکت میانۂ حق و باطل نہ کر قبول

جبکہ درست شعر اس طرح ہے:

باطل دوئی پسند ہے، حق لاشریک ہے

شرکت میانۂ حق و باطل نہ کر قبول(۸)

البتہ یہ امر مسلّم ہے کہ کتاب کے تمام موضوعات منفرد اور جدا ہیں۔جس میں ایک منطقی ربط موجود ہے۔یہ کتاب علامہ اقبال کے فکروفن کو اجاگر کرنے میں اہمیت کے حامل ہے،جن سے نہ صرف فکرِ اقبال سے شناسائی ہوتی ہے بلکہ علامہ محمد اقبال کی زندگی اور ذات کے متنوع جہات وگوشوں سے بھی پردہ اٹھتا ہے۔ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کہتے ہیں:

''اسلم انصاری اقبال کے مداح ہیں اور اسلامی تاریخ وتفکر کا وہ شعور رکھتے ہیں جو اقبال کی شاعری کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے اسلم کے یہ مضامین اسلم کی علامہ سے گہری وابستگی کیساتھ اقبال کی شاعری اور متعلق علوم کے وسیع مطالعے کا ثبوت ہیں۔''(۹)

کتاب کی تشکیل وترتیب میں ڈاکٹر اسلم انصاری نے مشرقی ومغربی علوم وفنون کو سامنے رکھا ہے،جس سے ان کی ناقدانہ خصوصیات کا پتا چلتا ہے۔فکرِ اقبال کی تفہیم میں یہ پیش رفت قابل تحسین عمل ہے۔وہ ایک ذہین نقاد کی طرح فکر اقبال کی نئی صورتوں کو پیش کرتے ہیں۔

کتاب ''اقبال:عہد ساز شاعر اور مفکر'' میں ڈاکٹر اسلم انصاری نے اقبال کے فکر وفلسفے پر اختصار کے ساتھ روشنی ڈالی ہے۔یہ کتاب اقبال شناسی میں ایک اور خوبصورت اضافہ ہے۔۱۵۵صفحات پر مشتمل یہ مختصر کتاب پہلی بار ۲۰۱۱ء میں شائع ہوئی۔جس میں ۱۳اردو اور ۳انگریزی کے،کل ملا کر ۱۶مضامین ہیں۔کتاب کے مطالعہ سے یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ مضامین کسی خاص موقع کے لیے تحریر کیے گئے ہیں۔مضامین کے اختتام پر مآخذات کا اندراج بھی ہے،جس سے کتاب کی قدر ومنزلت میں اضافہ ہوتا ہے۔کتاب کا پہلا مضمون ''اقبال کے تصورِ شاعری کا ارتقاء اور حرفِ شیریں کی بحث'' میں پیرزادہ احمد اعجاز کے مکتوب کی اقتباس سے اقبال کے اشعار میں موجود انگریزی ترجمہ کرتے ہوئے ابہام کو بیان کیا گیا ہے۔ڈاکٹر اسلم انصاری نے اقبال کی شاعرانہ عظمت اور عہد آفرینی کو موضوع بناتے ہوئے، پہلے شعر وادب کے ارتقاء اور اہمیت وافادیت کو مفصل انداز میں پیش کیا،ساتھ ہی مشرقی وعربی روایت کے پس منظر میں انگریزی ادب کا جائزہ بھی لیا گیا ہے۔اردو شاعری اور دیگر ادبیات میں ایسے کم ہی شعراء ہیں جنھیں عہد آفریں کا نام دیا جا سکتا ہے۔

علامہ اقبال نے زبان و ادب، تہذیب وتمدن، ثقافت اور تاریخ پر اپنی فکر وفلسفے کے ان مٹ نقوش چھوڑے۔اسی طرح مضمون ''زندہ رود۔شعرِ اقبال میں علامتِ ذات'' میں اس علامت کی اقبال کی ذات سے مماثلت کو جوڑنے اور استعمال کرنے کی مختلف توجیہات کو بیان کیا گیا ہے۔''زندہ رود'' کے معنی ہیں، رواں بہنے والا، دریا یا ندی جو کبھی خشک نہ ہو۔ڈاکٹر اسلم انصاری نیا اس لفظ کو پوری تاریخی پس منظر کے طور پر اس کی توضیح پیش کی۔جرمن شاعر اور فلسفی گوئٹے، جو رسول پاکؐ سے گہری محبت اور انسیت رکھتا تھا،اپنی نظم ''جوئے آب،موسوم بہ ''نغمۂ محمدؐ'' کا اقبال نے آزاد ترجمہ کیا، جو اقبال کے فارسی کلام ''پیامِ مشرق'' موجود ہے۔اس نظم میں شاعر نے رسول پاکؐ کو رواں دواں جوئے آب سے تشبیہ دیتا ہے۔جو وقت گزرنے کے ساتھ مزید وسیع اور کشادہ ہو جاتی ہے۔ڈاکٹر اسلم انصاری کا قیاس ہے کہ اقبال کے ذہن میں ''زندہ رود'' کا خیال اور اس لفظ کی ترکیب واستعمال شاعر وفلسفی گوئٹے کے پیش کیے گئے اس استعارہ سے ابھری ہے۔اسی طرح ''اقبال، زُروان اور زُروانیت'' میں خاص ایرانی مابعدالطبیعات کی علامت جو ''جاوید نامہ'' میں بھی

ملتی ہے، کہ متعلق یہ بتایا گیا ہے کہ یہ لغت میں ''زروان'' اور زرہون آپس میں متبادل الفاظ ہیں۔جس کے معانی بزرگ دانش ور کے ہو سکتے ہیں، مگر تسلیم شدہ معنی ''وقت اور لازماں'' کے لیے استعمال ہوئے ہیں۔علامہ اقبال وقت کی اہمیت کے پیش نظر یہ الفاظ استعمال کیے ہیں۔ زمان ومکاں کے ضمن میں اقبال ''زروان'' کی طرف متوجہ ہوئے اور یہ الفاظ سفرِ معراج کے لیے استعمال کیے۔

زُروان کہ رُوحِ زمان و مکان است
مسافر را بسیاحتِ عالمِ علوی می برد (۱۰)

لفظ زُروان کو ''روحِ زمان ومکان'' قرار دے کر ''زرتشتیت'' کے ایرانی مابعدالطبیعاتی تاریخی سے ابھرتا ہے۔ یوں ثنویت کے تحت ہونے والے تصادم کو زُروان یا زروانیت کا نام دیا گیا۔ مضمون ''اقبال، رینان اور جمال الدین افغانی'' میں انیسویں صدی کے مستشرقین موسیو رینان اور علامہ اقبال، سید جمال الدین افغانی کے متعلق ذکر کیا گیا ہے۔ رینان کے علمی کارناموں کی گونج علامہ اقبال کے دور میں کافی زیادہ تھی۔ اسے ابنِ رشد جیسے بڑے فلسفی پر اس کے کیے گئے تحقیقی کام کے سبب قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ اقبال نے رینان کے افکاروخیالات کا مطالعہ کیا اور اس کے مادی وسائنسی فکر اور اسلام مخالف ذہنیت کی بھرپور مخالفت کی۔ علامہ اقبال نے یورپ کی یونیورسٹی میں لیکچر دیا جو بعدازاں یہ لیکچر مقامی جریدے میں شائع بھی ہوا۔ جمال الدین افغانی بھی ان دنوں پیرس میں قیام پذیر تھے انہوں نے بھی مضمون کے جواب میں اپنا مقالہ اسی جریدے میں شائع کروایا۔ انھوں نے اس کے بے جا تعصابانہ نظریات کی منطقی توضیحات پیش کیں۔ اس کے نتیجہ میں رینان نے علامہ محمد اقبال کے اعتراضات کو قبول کیا اور انہیں علمی ونظری کاوش پر خراجِ عقیدت پیش کیا۔

مضمون ''اقبال اور رجال پرستی'' میں اقبال سے منسوب غلط تاثر کو مثالوں اور دلیلوں سے زائل کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ اقبال نے ''مردِ کامل'' کا تصور جرمن شاعر نطشے کے ''فوق البشر'' سے اخذ کیا اور نطشے انسانی شخصیت ہی کو زندگی کا نقطۂ عروج قرار دیتا ہے۔ اگرچہ علامہ محمد اقبال نے بھی اس کی کئی بار تردید کر چکے، لیکن یہ بات حقیقت ہے کہ اقبال اپنے دور کے بڑے مفکرین سے متاثر ضرور تھے لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کسی ایک خاص شخص سے متاثر تھے۔ اس لیے ڈاکٹر اسلم انصاری نے اقبال کو ''رجال پرست'' کے بجائے ''رجال پسند'' کہنا مناسب ہوگا کیونکہ وہ کسی ایک شخص یا شخصیت سے متاثر نہیں تھے، بلکہ کسی کے بھی مثبت اور تعمیری پہلوؤں اور خصوصیات سے اثر قبول کرتے تھے، جو کہ انسانیتِ کبریٰ کی بلندترین اقدار میں شامل ہیں۔

یہ حقیقت ہے کہ کلام اقبال کسی ایک شخصیت کے گرد نہیں گھومتا، یہی وجہ ہے کہ اقبال، بائرن، شیکسپیئر، گوئٹے، رومی، حافظ، غالبؔ کی فنی عظمت کا اعتراف بھی کرتے ہیں اور جن شخصیات کے شخصی عناصر انہیں مناسب نہیں لگے ان پر انھوں نے خوب نکتہ چینی بھی کی۔ وہ کسی ایک شخص کو اپنے سامنے شخصیت کا معیار بنا کر پیش نہیں کرتے۔ علامہ اقبال پوری انسانیت کی تاریخ میں صرف اور صرف رسول پاکؐ کی ہستی اور ذاتِ مبارکہ کو انسانی زندگی کا معیار گردانتے ہیں۔ جو مسلّمہ طور پر انسانی زندگی کا مکمل نمونہ ہیں۔ اقبال کی شاعری ایک خاص اسلامی نظامِ فکر کی ترجمان ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے

کہ اقبال کے ہاں ''رجال پرستی'' نہیں بلکہ ''رجال پسندی'' کا عنصر پایا جاتا ہے۔

مضمون ''اقبال اور اخلاقیات کی نئی فکری اساس'' کے ابتدائی حصہ اخلاقی فلسفے کے تعارف واقسام کو بیان کیا گیا ہے۔انیسویں اور بیسویں صدی کے مغربی مفکرین کی اخلاقی فکر کا ذکر بھی ملتا ہے۔یوں مشرق کے اخلاقی نظریات کا اس پس منظر کے طور پر احاطہ کیا ہے جس میں اقبال کی اخلاقی تصور پروان چڑھا۔اقبال کے فلسفے کی بڑی دین یہ ہے کہ انھوں نے پہلی بار روایت سے انحراف کرتے ہوئے ،فرد کی شخصیت اور خودی کو مرکزی حیثیت عطا کی۔اقبال کے فلسفۂ خودی میں مسلمانوں کو جدید تعلیم اور فلسفے کا انضمام (شرکت،شمولیت،الحاق) درس دیا گیا ہے۔یہ فلسفۂ خودی کی تعلیم ہے جو مسلمانوں کی تعلیم وتربیت کے میدان میں عملی تطبیق سے متعلق ہے۔بحیثیتِ مجموعی کتاب کے مطالعے سے قارئین پر فکرِ اقبال کے نئے گوشے وا ہوتے ہیں۔انھوں نے جدید دنیا میں علامہ محمد اقبال کے فلسفہ کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے موضوعات کا بلیغ انداز میں جائزہ پیش کیا ہے۔ڈاکٹر اسلم انصاری کی تصانیف پڑھتے ہوئے تسلسل،روانی اور سب سے بڑھ کر محققانہ اور منطقی انداز کو دلائل سے قارئین کے سامنے پیش کیا۔مضامین کے آخر میں ان محرکات کا بھی پتا چلتا ہے کہ یہ مضامین ڈاکٹر اسلم انصاری نے کب لکھے گئے ساتھ ہی حواشی کا اندراج بھی موجود ہے۔یوں اقبال شناسی میں یہ مضامین تحقیقی وتنقیدی کتاب کا درجہ رکھتے ہیں۔جس سے اقبالیات سے متعلق ان کی علمی وادبی اہمیت بڑھ جاتی ہے۔بقول ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی:

> ''ڈاکٹر اسلم انصاری نے بڑی ذہانت اور قابل فہم شعور کے ساتھ اقبال کا مطالعہ کیا ہے۔ان کا مطالعہ بہت سی نئی جہتوں کے در وا کرتا ہے۔اقبال کا فکر وشعور مشرقی اقوام خصوصاً ایشیائی ممالک کے لیے آج بھی اتنا ہی اہم ہے جتنا بیسویں صدی کے ابتدائی عشروں میں تھا۔''(۱۱)

ڈاکٹر اسلم انصاری کا اسلوب جاندار اور خوبصورت ہے۔کتاب کے مطالعہ سے کہیں بھی بوجھل پن کا احساس نہیں ہوتا۔انھوں نے نہ ہی مشکل وثقیل الفاظ کا استعمال ملتا ہے، بلکہ وہ بات کو نہایت سادہ اور آسان زبان میں پیش کرتے ہیں تاکہ قارئین تک فکر اقبال کی تفہیم پہنچ سکے۔یہ مختصر مگر جامع کتاب عام قاری اور خصوصاً طالب علموں کے لیے خاصے کی چیز ہے۔انھوں نے تمام نکات کو اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔مشکل پسندی،تفاصیل اور ذہنی الجھاؤ سے گریز ملتا ہے۔البتہ اشعار کے اندراج میں کہیں کہیں کمپوزنگ کی اغلاط موجود ہیں۔لیکن یہ کہا جاسکتا ہے کہ علامہ اقبال کے بنیادی تصورات کو ڈاکٹر اسلم انصاری نے آسان الفاظ میں سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے۔علامہ محمد اقبال کا کوئی بھی تصور،نظریہ یا فکر معنوی تہہ میں جا کر دیکھیں تو اس کی بنیادی فلسفۂ خودی ہی پر استوار ہے۔کتاب میں سمجھنے اور سمجھانے کا عمل بھی قابل تحسین ہے۔ڈاکٹر اسلم انصاری عالمی منظر نامے کے حالات و واقعات،مشرقی ومغربی تصادم اور تفریق،سیاسی ومعاشی مسائل کو فکر وفلسفہ کی نگاہ سے دیکھتے ہیں،لیکن وہ کلیدی اہمیت مشرق ہی کو دیتے ہیں کیونکہ انھوں نے کلاسیکی سرمائے کا باریک بینی سے مطالعہ کر رکھا ہے۔وہ بھی اقبال کی طرح مغربی تقلید کے خلاف ہیں۔ان کی تمام تحریریں گہرے مطالعے اور فلسفیانہ شعور کی غماز ہیں۔ڈاکٹر آفتاب احمد، پروفیسر اسلم انصاری کی اقبال شناسی کو سراہتے ہوئے بہت خوبصورت خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں۔اس کے شانہ بشانہ وہ اس دقیق اور کٹھن راہ کی دشواری وبے مائیگی کو بھی موضوع بناتے ہیں:

''اقبال شناس ہونا اتنا ہی مشکل ہے جتنا خود اقبال ہونا۔اور کسی بھی اقبال شناس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے علمی اور فکری سفر کے دوران وہ سب 'ہفت خواں' طے کرے جو اقبال نے اقبال بننے کے لیے طے کیے تھے۔ پروفیسر اسلم انصاری ان معدودے چند اقبال شناسوں میں سے ہیں جو اس علمی منصب سے عہدہ براہونے کی پوری پوری صلاحیت رکھتے ہیں۔ کیوں کہ وہ اردو کے ساتھ ساتھ فارسی زبان و ادب پہ کامل دست گاہ رکھتے ہیں۔ جو اقبال شناسی کے لیے بنیادی ضرورت ہے۔ پروفیسر اسلم انصاری کا اشہاب قلم ادب، فلسفہ، تاریخ ثقافت، علوم انسانی اور فنون لطیفہ جیسے میدانوں میں اکثر اپنی جولانیاں دکھاتا رہا ہے جو خود اقبال کے مخصوص میدان رہ چکے ہیں۔''(۱۲)

ڈاکٹر اسلم انصاری کی فکری و شعری نگارشات تواتر سے سامنے آتیں رہیں اور ارباب نقد ونظر کی توجہ کا مرکز بنتی گئی۔ اقبال شناسی کی ایک اور کڑی ان کی کتاب ''مطالعاتِ اقبال'' ہے جس میں فلسفہ، اخلاقیات، فنونِ لطیفہ اور شعریات کے مباحث کو موضوعِ تحقیق بنایا گیا ہے جس میں اقبالیات سے متعلق نئے موضوعات پر خامہ سرائی کی گئی ہے۔ دارالنوادر نے خصوصی کاوش سے زیورِ طبع کرتے ہوئے اسے ۲۰۱۷ء میں شائع کیا۔کل صفحات کی تعداد ۱۵۲ ہے۔ جب کہ ۱۸ مضامین پر محیط ہے۔ مصنف نے دیباچہ میں اقبال کے فکر و فن سے شناسائی حاصل کرنے کی غرض و غائیت کو بیان کیا ہے۔ کتاب کے مشمولات کو دیکھتے ہی کتاب کی انفرادیت اور افادیت کا پتا چلتا ہے۔ دیباچے میں انھوں نے عصرِ حاضر میں فکرِ اقبال کی اہمیت اور اس کی عصری معنویت کی تفہیم کو اجاگر کیا ہے۔ ان تمام مضامین کی نوعیت تحقیقی ہے کہ تقریباً تمام مضامین کے آخر میں حوالہ جات کا اندراج کیا گیا ہے، جس سے قارئین کو سمجھنے میں مزید آسانی ہوجاتی ہے۔ پہلا مضمون آرائے نکلسن کی ''اسرارِ خودی'' کی ترجمہ نگاری کے ضمن میں ہے۔ جس میں مصنف نے سادہ اور خوبصورت انداز میں نکلسن کی بطور مستشرق مساعی کا ذکر کیا ہے۔ فارسی، عربی یا اردو وغیرہ کی جن شہرہ آفاق کتب کو پروفیسر نکلسن نے انگریزی میں پیش کیا، ان کی مختصر وضاحت بیان کی ہے۔ ڈاکٹر اسلم انصاری نے علامہ اقبال سے ان کے تعلق اور بطور استاد، پھر اسرارِ خودی کے انگریزی ترجمہ کے دوران ان کی لگن، تحقیقی جستجو اور مشاقی کا بھی تذکرہ پیش کیا ہے۔ انہوں نے کئی سوالات بھی اٹھائے اور ترجمے کی طرف مائل ہونے کی وجوہات کی نشاندہی کی ہے۔ اس ترجمے سے انگریزی صحافت میں اقبال مخالف رجحانات کی مذمت اور وجوہات کا بھی سراغ ملتا ہے۔ پروفیسر نکلسن کے ترجمے کی کاوش کے تعارف کے ساتھ مثنوی کی تلخیص بھی ملتی ہے۔ ''خود شناسی اور انائے ذاتی کے تصورات قبل از اقبال'' میں اقبال سے پہلے جو تصورِ خودی کی اہمیت و معنویت بیان کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ یہ انسانی ذات کی تشریح و توضیح اور خود شناسی سے عبارت ہے، جس میں افلاطون، ارسطو، کیمیائے سعادت، مسلم مفکرین امام غزالی، ابنِ رشد وغیرہ کے تصورات کا ملخص پیش کیا ہے۔ قرآن میں غور و خوض کا حکم اور تاریخِ تصوّف پر خاصی روشنی ڈالی گئی ہے۔ فکری اور معنوی حوالے سے بعض مقامات پر مشکل اور دقیق، اصطلاحات نظر آتی ہیں۔

ڈاکٹر اسلم انصاری نے منصور حلاج کے حالاتِ زندگی کارناموں اور تصوّف کی خدمات کو بیان کیا گیا ہے ساتھ ہی ان کے خلاف مہم جوئی اور مصلوب کیے جانے کی تمام روداد کو آسان پیرائے میں صفحۂ قرطاس پر بکھیرا ہے۔ مصنف نے اس امر کی وضاحت کی ہے کہ حلاج نے خدائی کا دعویٰ نہیں کیا بلکہ وہ حق کا نمائندہ تھا۔ انہوں نے اکبرالہ آبادی کے شعر کا

حوالہ بھی دیا ہے جس میں حلاج کے بے گناہ ہونے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ یہاں کئی مفکرین اور فلسفیوں کے نام و افکار سے روشناسی ہوتی ہے مضمون کے اسلوب میں کہیں کہیں داستانوی عناصر کے ساتھ مشکل الفاظ کے حوالے بھی پیش کیے گئے ہیں۔ مغربی مفکرین دانتے اور گوئٹے کے خیالات کے ساتھ نفسیاتی اصطلاحیں بھی پیش کی گئی ہیں۔ ڈاکٹر اسلم انصاری بیدل، غالب اور اقبال سے متاثر ہیں۔ اس لیے ''شعر بیدلؔ میں خود شناسی کی تلقین اور تصور خودی کی جھلکیاں'' میں اقبال کے ہاں بیدلؔ سے روحانی انس و شرفِ اور مریدی کا احساس بھی ملتا ہے۔ اس لیے مصنف ان کے افکار کی تشریح و تعبیر سے کیونکر پیچھے رہ سکتے تھے۔ فارسی کے استاد شاعر پر بیدل پر مضمون ڈاکٹر اسلم انصاری کی فارسی قابلیت و علمی استعداد کا بہترین ثبوت ہے، جس میں انہوں نے بیدل کو فارسی زبان کے ماہر استاد اور فلسفیانہ خیالات کا حامل شاعر قرار دیا ہے۔ بیدل شناسی کی تحریک میں غالب و اقبال کے حصہ کی نشاندہی بھی کی گئی ہے۔ انہوں نے بیدل شناسی کے ضمن میں ہونے والی کوششوں کا بھی ذکر کرتے ہوئے کچھ فارسی اشعار کی تشریح و توضیح بھی کی ہے۔ ''خود اور خودی'' کے الفاظ خود شناسی و خود بینی کا ذریعہ ہیں۔ ڈاکٹر اسلم انصاری کے نزدیک:

> ''بیدلؔ کے افکار کی دنیا میں آدم (انسان) مرکزِ کائنات ہے، اور ''دل'' سرچشمۂ حیات۔ دیگر افکار کے علاوہ ان کی شاعری کا بیشتر حصہ خود شناسی اور اس سے وابستہ تخیلات و تصورات سے بحث کرتا ہے۔ ایسے بہت سے اشعار ان کے ہاں ہیں جن میں اقبال کے تصورِ خودی کی پیش بینی واضح طور پر نظر آتی ہے۔''(۱۳)

''اقبال کی آہِ سرد اور ان کا حزنیہ لحن'' میں اقبال کے حزنیہ لب و لہجہ کی دریافت میں بھی نئے امتیازات کو پیش کیا گیا ہے کہ ان کا غم بھی امید و رجا کا پاسبان ہے۔ انہوں نے علامہ اقبال کی شاعری میں غم و اندوہ کے لہجے میں بھی نئے لہجے کی ترجمانی کے احساس کو اجاگر کیا ہے، اقبال کے حالات اور پھر گذشتہ شعری روایت کا حوالہ دیتے ہوئے ڈاکٹر اسلم انصاری نے لفظ ''آہ'' کی کئی توضیحات و تشریحات بیان کی ہیں۔ ''اقبال کا فن'' فن زندگی کا ترجمان اور حرکت و عمل کا غماز ہے۔ اقبال کے ہاں زندگی کے المیاتی رجحان انسانی دل کو روشن اور تابدار بنا دیتے ہیں۔ ڈاکٹر اسلم انصاری کے مطابق:

> ''اقبال کے نزدیک فن وہی ہے جو انسانی زندگی (خودی) کو ایسے سوز و ساز سے بہرہ ور کرے جس کا ثمر تہذیبِ انسانی کی تکمیل کی صورت میں حاصل ہو سکے۔ اقبال کے نظریۂ فن کی رو سے فن تکمیلِ ذات کا ذریعہ ہے، مقصود بالذات نہیں۔ اس اعتبار سے اقبال کے نزدیک شاعری کے معنوی (فکری، اخلاقیاتی) اور تعمیری پہلو زیادہ اہم ہیں بہ نسبت اس کے فنی پہلوؤں کے۔''(۱۴)

اسی مضمون میں چنگیز و ہلاکو خان کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے۔ مصنف نے بڑی چابک دستی اور مہارت کے ساتھ اقبال کے نظریۂ فن کی بحث کو سمیٹا ہے اور کہیں بھی قاری الجھاؤ کا شکار نہیں ہوتا۔ وہ پڑھنے والے کو اپنا ہم خیال بنا لیتے ہیں کہ ایک کردار کی طرح وہ ان کے ساتھ سفر کرتا ہے۔ انھوں نے مطالعۂ فن کے تقاضوں، معیارات اور طریقہ کار پر بحث کرتے ہوئے یہ بتایا ہے کہ شاعر نے کون سے وسائل استعمال کیے اور ان کا انتخابِ الفاظ کیسا ہے۔ ''اقبال کو افلاطون سے کیا اختلاف تھا؟'' میں اقبال نے افلاطون پر نئے انداز سے نقد و نظر کا جو سلسلہ شروع کیا اُسے پیش کیا گیا۔ پھر اقبال کے

اشعار سے افلاطون کے متعلق اعتراضات واختلاف کی نوعیت واسباب وعلل کو پیش کیا ہے۔درحقیقت اقبال، افلاطون کے نظریۂ اعیان سے متفق نہیں تھے۔ان کے نزدیک یہ بے عملی کا درس دیتا ہے اور مسلمانوں کو اس سے بچنے کی بھی تلقین کی۔اس فکر وتنقید کا محرک ڈاکٹر اسلم انصاری نے اقبال کی قرآنی بصیرت کو قرار دیا ہے۔جس میں جابجا آیات اور ان کا ترجمہ بھی نظر آتا ہے۔افلاطون کے بعد برگساں کے ساتھ ان کے تعلق کو زیرِ بحث لایا گیا ہے۔مضمون بعنوان ''اقبال اور برگساں''ان کے تیسرے خطبے کے تناظر میں۔''،''الحمراء'' کے ایک شمارے میں اقبال کے فلسفے کے غلط تاثر کے اثر کو زائل کرنے کے ضمن میں لکھا ہے، جس میں نصیر احمد ناصر کی علامہ اقبال کے خطبہ کے متعلق رائے کا تذکرہ ملتا ہے۔علامہ اقبال نے برگساں کا محض ایک نکتہ سمجھانے کے لیے جو حوالہ دیا، اسے نصیر احمد ناصر نے اقبال کو ان سے متاثر قرار دے دیا۔جس کو ڈاکٹر اسلم انصاری نے منطقی، دلائل سے غلط ثابت کیا ہے۔یہاں ان کی تمام تنقیدی و محققانہ صلاحیتیں مجتمع ہو گئی ہیں۔اسی طرح اے ای ٹیلر کے نظریے کی بابت اقبال کے نظریۂ خودی سے مماثلت کا بھی ذکر کیا ہے، البتہ دیگر مفکرین کے ذکر سے کہیں کہیں پیچیدگی کا احساس بھی ہوتا ہے۔ڈاکٹر جاوید اقبال لکھتے ہیں:

> ''اسلم انصاری کا اسلوب تحریر ادبیت اور علمیت کے بہترین اجزا سے ترتیب پاتا ہے۔خالص علمی اور فلسفیانہ مباحث میں بھی انہوں نے اپنی تحریر کو گنجلک نہیں ہونے دیا اور ہر موضوع و مضمون میں اسلوب کی دل کشی کو برقرار رکھا گیا ہے۔''(۱۵)

''اقبال اور فیضی'' میں فارسی کے اہم شعراء کا حوالہ دیتے ہوئے، عرفی کے اشعار کی جو تضمین کے طور پر موضوع بنایا۔اقبال نے نظیری کے بعد جس شاعر کا اثر قبول کیا، وہ ملک الشعراء فیضی ہیں۔ایک آدھ غزل میں اقبال نے جو فیضی کی زمین سے استفادہ کیا اس کا ذکر بھی مضمون میں موجود ہے۔کچھ زبورِ عجم سے غزلیات لے کر مصنف نے ان کی تشریح و وضاحت کے ساتھ گہرا فلسفیانہ شعور کو بھی اجاگر کیا ہے۔اس مضمون میں ڈاکٹر جاوید اقبال کی اقبال شناسی اور ترجمانی کا بھی احاطہ کیا گیا ہے۔ڈاکٹر بصیرہ عنبرین فکرِ اقبال کو اجاگر کرنے کی مساعی اور اس ادبی کاوش کو سراہتے ہوئے لکھتی ہیں:

> ''اقبالیات، جناب اسلم انصاری کا ایک محبوب اور مستقل موضوع ہے جو بلاشبہ ان کے فطری و طبعی میلان کا عکاس ہے۔ان کے اقبالیاتی سرمائے سے ظاہر ہے کہ وہ اقبال کی فلسفیانہ، مفکرانہ اور شاعرانہ جہات پر مدلل، فکر انگیز اور قابلِ فہم اسلوب میں اظہارِ خیال کی نابغانہ استعداد رکھتے ہیں۔۔۔ان کی یہ تصنیف ذخیرۂ اقبالیات میں گلِ سرسبد کی حیثیت رکھتی ہے جس کی بہار دائمی اور دیدنی ہے۔'' (۱۶)

ڈاکٹر اسلم انصاری کی تنقید وتحقیق کا سب سے بڑا موضوع اقبالیات ہے۔اس ضمن میں انہوں نے کئی اقبال شناسوں سے بھی اثر قبول کیا۔اس حوالے سے وہ خود کہتے ہیں:

> ''پہلا نام تو خلیفہ عبدالحکیم ہی کا ہے۔جن کی اقبال، غالب اور رومی کی تشریحات نے مجھ پر بہت گہرا اور دیرپا اثر مرتب کیا۔دوسرا نام ڈاکٹر یوسف حسین خاں کا ہے۔۔۔تیسرا بڑا نام سید نذیر نیازی کا ہے۔۔۔ڈاکٹر جاوید اقبال کی زندہ رُود بھی ایک متاثر کن کام ہے۔اس کتاب نے

اقبال کو بحیثیت انسان سمجھنے میں بہت مدد دی ہے۔''(۱۷)

اقبال پر لکھے گئے مضامین میں ڈاکٹر اسلم انصاری نے اپنے تئیں بھرپور کوشش کی، اقبال ان کی پسندیدہ شخصیت ہیں جن سے وہ خاصی عقیدت ومحبت رکھتے ہیں، یہ عنصر کام کی نوعیت میں نکھار پیدا کرتا ہے۔ انھوں نے نسلِ نو تک فکرِ اقبال کی رسائی کا جو بیڑا اٹھایا ہے اس میں وہ کامیاب دکھائی دیتے ہیں۔ اس حوالے سے ان کا عشق، محنت اور لگن انہیں دیگر اقبال شناسوں سے ممتاز کرتا ہے۔ انھوں نے فکرِ اقبال کی عالمانہ اور فلسفیانہ تشریح وتوضیح کے ساتھ اکیسویں صدی کے تقاضوں سے ہم آہنگ کیا ہے۔ بطور اقبال شناس وہ تنقیدی اصولوں اور معیارات کو مقدم رکھتے ہیں۔ ان کی تحریروں فنی ارفعیت، بالیدگی اور تحقیقی وتنقیدی نظر کی پختگی کا ثبوت ہیں۔ ڈاکٹر اسلم انصاری علامہ اقبال کے فکر ونظریات اور مقاصد پر بحث کرتے ہوئے تاریخی وتہذیبی حقائق اور واقعات کو سامنے لے آتے ہیں، جو ایک منفرد سوچ کا حامل ادیب ہی کرسکتا ہے۔ ان کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ انھوں نے فکر اقبال کو کثیر الجہتی تناظر میں دیکھا۔ اقبال کی شاعری خودی، امید اور زندگی کی مثبت پہلوؤں کو فکرِ رسا کے طور پر پیش کیا۔ ڈاکٹر اسلم انصاری کی فکری جہتوں کو ابھارنے میں اقبال کا کردار ایک بزرگ دانش ورسا ہے۔ ان کی اقبال پر تنقید وتحقیق کی وجہ سے ان کی اپنی تخلیقات میں بھی اقبال کا گہرا اثر نظر آتا ہے۔ ایک شاعر ہونے کے ناطے اسلم انصاری کا شعر وادب کی زبان یعنی الفاظ وتراکیب، استعارے، تشبیہ وغیرہ کی نزاکتوں اور رمز شناس سے واقف ہیں، وہ امیجری، علامات اور استعاراتی اسلوب ان کی نثری، تنقیدی اور اقبالیاتی تحریروں میں بھی بار پاتا ہے۔ اور عصری بصیرت وآگہی کبھی بھی ان کی تحریروں اور ذہن سے محو نہیں ہوتی۔ اسلم انصاری کا مطالعہ کثیر الجہتی سے عبارت ہے اس میں کہیں بھی یک رخی نہیں ہے۔ مشرق ومغرب کے ادب، تہذیب وغیرہ کا انہوں نے بغور مطالعہ کیا اور پھر ان تصورات ونکات کو اخذ کیا جو ان کے لیے اہمیت کے حامل تھے۔ اسلم کی تحریریں اور فن ارفعیت سے عبارت ہے۔ جس کے لیے انہوں ایک عرصہ محنت کی ہے۔ بہرحال ڈاکٹر اسلم انصاری ساٹھ کی دہائی کے پرہجوم دور میں بھی لکھنے والوں میں اپنی قابلیت کا لوہا منوانے میں کامیاب ہوئے۔ حالاں ابھی بھی انہیں وہ مقام اور عزت نہیں مل سکی جس کے وہ مستحق تھے۔ ڈاکٹر وحید الرحمٰن خان لکھتے ہیں:

> ''اسلم انصاری نے اقبال کے رنگِ سخن کی تقلید کی ہے لیکن یہ تقلید دراصل ایک نئی طرز کی تشکیل ہے۔۔۔ فکرِ اقبال کی شاعرانہ ترجمانی جہاں تحسین اور ستائش کا حق ادا کرتی ہے وہاں تفہیم اور تشریح کے علمی تقاضوں کو بھی پورا کرتی ہے۔ اسلم انصاری نے اقبال کے بنیادی تصورات کو تخلیقی سطح پر قبول کرتے ہوئے ایک ایسا آئینہ خانہ تعمیر کیا ہے جس میں نت نئے عکس ملاحظہ کیے جاسکتے ہیں۔''(۱۸)

ملتان میں اقبال شناسی اور اقبال فہمی کی باقاعدہ تحریک کے ضمن میں ڈاکٹر اسلم انصاری کا نام قابل ذکر ہے۔ انھوں نے اقبال سے دلچسپی رکھنے والوں میں نیا شعور بیدار کیا اور اپنی فکر وفن کے ذریعے سے قارئین میں نئی روح پھونک دی۔ انھوں نے اپنی زندگی کا بیش تر حصہ اقبال کی فکری تفہیم میں گزار دی۔ بلاشبہ اقبال شناسی میں ان کا نام زندہ وجاوید رہے گا۔ انھوں نے سادہ اور آسان اسلوب سے نسل نو کو اقبالیات کے علمی اور ادبی سرمائے سے روشناس کرایا، جس سے

اقبال کے پیغام کی اصل روح کو سمجھا جا سکتا ہے۔اقبال شناسی کے ضمن میں انہی کی مساعی قابل تحسین ہیں۔علامہ محمد اقبال بیسویں صدی کی توانا اور مضبوط آواز، جن کی فکری بصیرت سے اکیسویں صدی کی پرآشوب دور میں بھی ارتقاع اقدار کا درس ملتا رہے گا اور اقبال شناسی کا یہ عمل جاری وساری رہے گا۔

حوالہ جات

۱۔ محمد افتخار شفیع،ڈاکٹر اسلم انصاری شخصیت اور فن،(اسلام آباد:اکادمی ادبیاتِ پاکستان،۲۰۱۰ء)،ص۱۴۔۱۵

۲۔ وحیدالرحمٰن خان، فیضانِ اقبال کی ایک روشن مثال،مشمولہ:ماہنامہ قومی زبان (بیادِ علامہ محمد اقبالؒ)،(کراچی،نومبر ۲۰۰۷ء)،جلد۷۹،شمارہ۱۱،ص۲۶

۳۔ اسلم انصاری،اقبال عهد آفریں،(لاہور:اقبال اکادمی پاکستان،۲۰۱۱ء)،ص۱۷

۴۔ ایضاً،ص۲۱۹

۵۔ ایضاً،ص۶۹۔۷۰

۶۔ ایضاً،ص۱۱۶

۷۔ ایضاً،ص۱۶۲

۸۔ اقبال،کلیاتِ اقبال اردو،ترجمہ وشرح:غلام رسول مہر،(لاہور:شیخ غلام علی اینڈ سنز،س ن)،ص۹۵۲

۹۔ رفیع الدین ہاشمی،بحوالہ:ڈاکٹر اسلم انصاری: شخصیت اور فن ،از:محمد افتخار شفیع،ص۲۷

۱۰۔ اقبال،کلیاتِ اقبال فارسی،(لاہور:شیخ غلام اینڈ سنز،۱۹۷۸ء)،ص۲۵

۱۱۔ رفیع الدین ہاشمی،بحوالہ:ڈاکٹر اسلم انصاری: شخصیت اور فن،از:محمد افتخار شفیع،ص۱۴۱

۱۲۔ آفتاب احمد،بحوالہ:ڈاکٹر اسلم انصاری: شخصیت اور فن،از:محمد افتخار شفیع،ص۱۳۵۔۱۳۶

۱۳۔ اسلم انصاری،مطالعاتِ اقبال،(لاہور:دارالنوادر،۲۰۱۷ء)،ص۵۴

۱۴۔ ایضاً،ص۴۷

۱۵۔ جسٹس(ر)جاوید اقبال،بحوالہ:ڈاکٹر اسلم انصاری: شخصیت اور فن،از:محمد افتخار شفیع،،ص۱۳۵

۱۶۔ بصیرہ عنبرین،فلیپ:مطالعاتِ اقبال،از:اسلم انصاری

۱۷۔ اعجاز الحق،انٹرویو،مشمولہ: مطالعاتِ اقبال،ص۱۴۹۔۱۵۰

۱۸۔ وحیدالرحمٰن خان، فیضانِ اقبال کی ایک روشن مثال،مشمولہ:ماہنامہ قومی زبان(بیادِ علامہ محمد اقبالؒ)،ص۲۱